معاشی ناہمواریوں کا اسلامی علاج

قسط سوم

نعیم صدیقی

اسرافیات کا سدِّباب اسلام وہ دین ہے جس میں وضو اور غسل کے لئے ضرورت سے زیادہ پانی بہا دینا بھی عنداللہ قابل مواخذہ جرم ہے، کجاکہ عیش وعشرت کے ہنگاموں اور لہو ولعب میں اللہ کے خزانہ ہائے رزق کو جھونکا جائے۔ پھر یہ وہ دین ہے جس نے مسرفین کو شیطان کی برادری میں شامل کیا ہے۔ پس اگر پاکستان میں سلامی نظام نافذالعمل ہوگا تو اسراف کا سدِّباب کرنے کے لئے اسے لازماً مختلف قانونی اور اخلاقی تدابیر اختیار کرنی پڑیں گی۔ سوسائٹی میں اسراف کے حسب ذیل اثرات نمایاں ہیں:-

(۱) دولت عامہ کا ایک کثیر حصہ امیر لوگ اور ان کی دیکھا دیکھی متوسط طبقے کے لوگ ضروریات زندگی سے بالاتر لایعنیات میں کھپا دیتے ہیں۔ نتیجۃً سوسائٹی کے عوام کی محرومی بڑھ جاتی ہے۔

(۲) مسرفانہ معیار زندگی کے مصارف پورے کرنے کے لئے عوام کی جیبوں سے روپیہ نکالنے کی غیر اسلامی صورتیں اختیار کی جاتی ہیں، جن کی وجہ سے پورا معاشرہ بگڑ جاتا ہے اور لازماً ناہمواریاں بڑھتی ہیں۔

(۳) سوسائٹی کے بے شمار مرد وعورتیں عوامی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے اعلیٰ اور پاکیزہ خدمات انجام دینے کے بجائے رقص وسرود اور امرا کی تفریح کے دوسرے لوازم کے اہتمام میں کھپ جاتے ہیں اور پیداآور صنعتوں اور علم واخلاق کی ترقی کی رفتار کمزور ہو جاتی ہے۔

(۴) اسراف کی چھوت امرا سے متوسط طبقے میں اور متوسط طبقے سے غریب عوام میں پھیلتی ہے اور اس طرح ایک عام اخلاقی انحطاط اس کے ساتھ ساتھ پھیلتا جاتا ہے۔

اسلامی شریعت نے اسرافیات کی روک تھام کے لئے جن چیزوں پر صریح قانونی بندشیں لگا دی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کے استعمال کو جرم قابل مواخذہ ٹھہرایا ہے، دوسرے یہ ہے کہ سونے کے زیورات اور ریشم کے ملبوسات کو مردوں کے لئے قطعی حرام کر دیا ہے، تیسرے یہ ہے کہ چاندی سونے کے برتنوں اور (عورتوں کے زیورات کے سوا) دوسرے آرائشی سامانوں کو ممنوع قرار دیا ہے، چوتھے حرمت تصاویر کی وجہ سے آرٹ گیلریاں بنانے اور ڈرائنگ روم کو مجسموں سے آراستہ کرنے کا دروازہ بند کر دیا ہے، پانچویں پیشہ ور گویوں اور آلاتِ موسیقی کے وجود کو مسلم سوسائٹی کے لئے ناقابلِ برداشت قرار دیا ہے، چھٹے رقص اور بے حیائی کی دوسری صورتوں، نیز (ورزشی اور جنگی قسم کے تفریح آمیز کھیلوں کو مستثنیٰ کر کے) لہو و لعب اور تضیع اوقات کو جائز نہیں رکھا، ساتویں قمار آمیز تفریحات کو حرام ٹھہرایا ہے، آٹھویں زندگی کی تقریبات میں ضیاع مال کو رد کنے کے لئے ان کو سادگی کی حدود کا پابند کر دیا ہے، نویں بلا شدید ضرورت کے کتے پالنے کی اجازت نہیں دی، دسویں مکانوں کو نقش و نگار سے مزین کرنے اور قبروں کو چونے گچ بنوانے کو سخت مکروہ شمار کیا ہے، گیارہویں لباس میں کبر کے (اور عام معاشرت میں) ٹھاٹ کے مظاہرے کو بھی حرام کر دیا ہے۔

یہ ایسے طے شدہ امور ہیں کہ اسلامی نظام میں شارع کی ہدایات کے تحت قانونی طور پر محکمۂ احتساب امرا اور عوام کو ان سارے مفاسد سے روک دے گا، اور ظاہر ہے کہ یہ اجتماعی دولت کو محفوظ کرنے اور معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے اور امراء و عوام میں اخوت و مساوات پیدا کرنے کی بہترین صورت ہے۔ ان مفاسد سے معاشرے کو پاک کر دینے کے بعد معیارِ زندگی ایسا سادہ ہو جاتا ہے کہ پھر ہمارے ہاں کی محنت کی اُجرتیں اور اشیا کی قیمتیں اور روپے کی قوت خرید بین الاقوامی مارکیٹ میں بڑی بڑی قوموں کی معاشی برتری کو شکست دے سکتی ہے۔

مزید اجتہادی بندشیں منصوص "اسرافیات" کی مختلف شکلوں کو اور ان کے متعلق شریعت کے نواہی کی حکمتوں کو ملحوظ رکھ کر ایک اسلامی حکومت کی پارلیمنٹ یہ طے کر سکتی ہے کہ اسراف کے دوسرے مظاہر کون سے ہیں جن کی حرمت کے لئے اگر کوئی منصوص دلیل نہ ہو تو کم از کم وہ مشتبہات ضرور ہیں ——— اور ان کی بندش کا اہتمام کر سکتی ہے۔ علاوہ بریں عام اوسط درجے کی زندگی کی ضروریات کو مستثنیٰ کر کے آرائش، زیبائش، جائز

تفریحات، اور خوشحالی اور آرام پسندی کے لوازم پر بڑھتے ہوئے ٹیکس لگا کر ان کے فروغ کو روکنے کی تدریجی کوشش کرے۔ اس سے بہ یک وقت دو فائدے ہوں گے، ایک یہ کہ لوگ ضروریات تک مصارف کو محدود رکھنے پر مائل ہوں گے، دوسرے یہ کہ عوام ملک کی اجتماعی ضروریات کے لئے فنڈز بہم پہنچ سکیں گے۔

بطور مثال یہ کہا جا سکتا ہے کہ غربا اور اوسط درجے کے گھرانوں کی ضروریات سے گراں قسم کے پارچات، برتن، فرنیچر، فرش، قالین، ریفریجریٹر، موٹر کاریں، کیمرے، ریڈیو سیٹ وغیرہ خریدنے والوں کو ملک کی اجتماعی ضروریات کے لئے مرکزی فنڈ میں ٹیکس داخل کرنا چاہئے۔ اسی طرح ریلوں میں فسٹ کلاس اور سیکنڈ کلاس میں سفر کرنے والوں کے کرایوں کے ساتھ ایسا ٹیکس ضرور شامل ہونا چاہیئے جو تیسرے درجے کے مسافروں کی سہولیات کے لئے صرف ہو۔ اسی طرح جو لوگ دو منزلہ، سہ منزلہ اور طویل وعریض مکانات تعمیر کرنا چاہیں وہ جہاں اپنے آرام کے لئے بہت سا روپیہ صرف کرنے کی استطاعت کا مظاہرہ کرتے ہیں، وہاں اُن سے غربا کی ضروریات کے لئے بھی مناسب حصہ وصول کیا جا سکتا ہے۔ علیٰ ہٰذالقیاس اعلیٰ معیار کی زندگی بسر کرنے والوں پر اجتماعی ضروریات کا بار اس طرح بخوبی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

اسرافیات کے کاروباری اڈے موجودہ سوسائٹی میں اسرافیات اور تعیشات کے دلدادگان کے لئے باقاعدہ کاروبار ہوتے ہیں اور اڈے قائم کئے جاتے ہیں۔ مثلاً پاکستان میں بے شمار مراکز بدکاری قانون کی سرپرستی میں قائم ہیں، کتنے ہی شراب خانے کھلے ہیں، لاکھوں ہی سینما چل رہے ہیں، کئی رقص گاہیں ہیں، بہت سے قمار خانے ہیں اور ان کے ذریعے اسراف اور عیاشی کی باقاعدہ تبلیغ ہوتی ہے۔ علاوہ بریں حکومت کے ریڈیو اسٹیشن بھی لوگوں کی تعیش پسندیوں کو غذا فراہم کرتے ہیں۔ اور لٹریچر بھی آرٹ کے خوشنما نام پر لہو ولعب کے اخلاق سوز اسباب کو فروغ دیتا ہے۔ اور مصوری وبت تراشی رہی سہی کسر پوری کر دیتی ہے۔

ان اڈوں کو جن کے ذریعے سرمایہ دار لوگ عوام کا اخلاق بگاڑ کر روپیہ کماتے ہیں، بند کئے بغیر معاشی ناہمواریوں کا سدِّباب کرنا ممکن نہیں ہے۔ رہا ریڈیو اور سینما کا معاملہ، سو ان دونوں ذرائع تعلیم وتربیت کو عوام کی ذہنی، اخلاقی، معاشرتی، زرعی، صنعتی اور سیاسی ترقی کے لئے استعمال ہونا چاہیئے، نہ کہ معاشقے اور بے حیائی کے ہنر سکھانے کے لئے! یہ بجا کہ ریڈیو اور سینما میں جائز قسم کی تفریحات رکھی جا سکتی ہیں، مگر لغویات کے لئے

بہر حال ان بہترین ذرائع کو وقف رہنے دینا کسی اسلامی حکومت کے لئے جائز نہیں ہے۔

اسلامی قانون وراثت کا نفاذ نظام سرمایہ داری کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک شخص کی جمع شدہ دولت اور جائداد کو حتی الوسع یکجا رکھا جاتا ہے اور مرتکز شدہ سرمائے کو جوں کا توں اولاد اکبر کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ اسلام اس کے عین بالمقابل ایک فرد کی زندگی بھر کے اندوختے کو اس کی وفات پر کئی ٹکڑوں میں بانٹ دیتا ہے۔ بنا بریں اسلامی قانون وراثت معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے اور دولت کو پھیلانے کا ایک نہایت ہی کامیاب ذریعہ ہے۔ اس قانون کے حسب ذیل خواص کو ذہن نشین کئے بغیر اس کے معاشی عمل کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۱) اس قانون کے تحت ۸ ایسے مستقل ورثا ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کو لازماً متوفی کے ترکے میں سے حصہ ملتا ہے۔

(۲) اس قانونِ وراثت کے تحت ذکور کے ساتھ اناث بھی شریک ترکہ ہوتی ہیں، لہذا اس کے ذریعے دولت کا پھیلاؤ بہت زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔

(۳) یہ قانون دوسرے اعزہ کے ساتھ خاوند کے ترکے میں سے بیوی کو اور بیوی کے ترکے میں سے خاوند کو اہم حصہ دلواتا ہے اور یہ قاعدہ ایک برادری کے اموال کو دوسری برادری میں منتقل کر کے پھیلاؤ کی رفتار تیز تر کر دیتا ہے۔

(۴) یہ قانون ذوی الفرائض (اول درجے کے ۸ ورثا) کے ساتھ ذوی الارحام (دوسرے درجے کے ورثا) کے علاوہ عصبات (تیسرے درجے کے ورثا) کو بھی ترکے کا حقدار قرار دیتا ہے، اِلّا یہ کہ از روئے قانون الاقدم فالاقدم کے اصول پر بعض کو حصہ نہ پہنچتا ہو۔

(۵) اس قانون کی رُو سے ہر شخص اپنے ترکہ کے ⅓ حصے کے بارے میں دو طرح کی وصیتیں کر سکتا ہے، بلکہ اسے ترغیب دی گئی ہے کہ وہ کرے اور بعض علما کے نزدیک ایسا کرنا واجب ہے:۔

(۱) اسٹیٹ، عوامی ضروریات، رفاہِ عامہ اور تحریک اقامتِ دین کے لئے وقف کرنا (ب) قانونی طور پر ترکہ نہ پانے والے اعزہ یا محسن دوستوں یا پڑوسیوں اور خادموں کو حصہ دلانا۔

(۶) اس قانون کی رُو سے لاوارث لوگوں کے ترکے بیت المال میں داخل ہو کر مفادِ عامہ کیلئے مخصوص ہو جاتے ہیں۔
ان اشارات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسلامی قانون وراثت بڑے وسیع معاشی اثرات رکھتا ہے اور یہ جہاں نافذ ہو، وہاں دولت چند تجوریوں میں مقید نہیں رہ سکتی اور نہ چند کارخانہ داروں اور زمینداروں کی معاشی اجارہ داری قائم رہ سکتی ہے۔

کمیونسٹ حضرات عموماً اسلامی قانونِ وراثت کی اہمیت کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں، کیونکہ اگر اسلام کے ذرائع سے معاشی مسئلہ حل ہونے لگے تو ان کا کیا کام باقی رہ جائے گا۔ کاش کہ وہ دیانت داری سے اس قانون کے معاشی عمل کا اسی طرح تحقیقی مطالعہ کریں جس طرح وہ نظریہ قدر زائد "Surplus Value" کو سمجھنے کے لئے دماغ کھپاتے ہیں۔ ان حضرات کی خدمت میں درخواست ہے کہ آپ براہ کرم ایک کاغذ پنسل لیجئے اور پاکستان کے حالات پر اس قانون کو منطبق apply کر کے دیکھئے کہ اس کے اثرات کیا ہوں گے۔ آج ہم ۸ کروڑ افراد میں سے خوش حال لوگوں کی تعداد ۲ کروڑ کے لگ بھگ ہے وربقیہ ۶ کروڑ مفلس، فاقہ کش، مفلوک الحال، گداگر اور ضروریاتِ زندگی سے محروم ہیں۔ آپ ایک حساب داں کی طرح اعداد و شمار کو مرتب کر کے نتیجہ نکالئے کہ اگر شرح اموات ۲ فی ہزار اور متوفیان کے وسط ورثاء اسلامی قانون کے مطابق ۴ قرار پائیں (حالانکہ عملاً یہ تعداد ۱ سے لے کر ۱۰، ۱۵، ۲۰ اور ۴۰ بلکہ اوپر تک جا سکتی ہے) تو دو کروڑ افراد کی خوشحالی کتنی مدت میں ۸ کروڑ افراد میں منتقل ہو سکتی ہے؟

یہ اعداد و شمار کا ایک صاف اور سیدھا سا حساب حیرت انگیز نتائج تک لے جاتا ہے یعنی کل ۲۰ سال کی مدت میں ہماری پوری قومی دولت ۸ کروڑ افراد میں پھیل جاتی ہے اور غیر معمولی قسم کی ہر اونچ نیچ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ یہ بھی اس صورت میں جب کہ اسلامی نظام میں صرف "قانونِ وراثت" ہی واحد ذریعہ ہو انتشارِ دولت کا، لیکن اگر زکوٰۃ اور دوسرے ذرائع بھی کام کریں تو پھر زیادہ سے زیادہ مدت جو مساواتِ عامہ پیدا کرنے کے لئے درکار ہے وہ ۱۰ سال سے زائد نہ ہوگی۔

یہ دس سالہ خاموش اور پُرامن اور غیر خونی انقلاب اگر اسلامی قانونِ وراثت اور اس کے دوسرے ذرائع اصلاح کے بل پر اس سے بہتر نتائج دکھا دے جتنے کہ روس میں اشتراکیت کے طبقاتی اصادم کے خونی

ہنگامے اور قتل وغارت کے طوفان نے دکھائے ہیں تو آخر اسلام کے ہوتے ہوئے کمیونزم کی طرف توجہ کرنے والوں سے زیادہ رجعت پسند اور غیر معقول (Unrationalist) اور کون ہوگا؟ یہاں شخصی آزادی سلب کی جائیگی، نہ سی، آئی، ڈی کا جال بچھایا جائے گا، نہ فوجی عدالتوں کا دور دورہ ہوگا۔ نہ محنت گھروں (Exiles) میں ہزاروں آدمیوں کو محبوس کرنا پڑے گا، نہ سرحدیں بند کی جائیں گی، نہ جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے کی ضرورت ہوگی، اور کام اس سے بہتر ہوگا جتنا کہ اشتراکیت نے ۳۰ سال کے مصائب اور تشدد کے بعد کر کے دکھایا ہے۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔ اسلام نے اپنے معاشی انقلاب کی اسکیم کو اپنے پورے نظام میں اس طرح جذب کر دیا ہے کہ جہاں یہ نظام چلا، بغیر اس کے کہ آپ سرمایہ دار اور کارخانہ دار کے خلاف طبقاتی جنگ کا بگل بجا کے میدان میں آئیں، از خود سرمایہ داری کی جڑیں کٹنے لگتی ہیں۔

آپ غور کیجیے کہ آج ہم میں سے جو ۲۰، ۲۵ ہزار افراد بڑی بڑی زمینوں اور کارخانوں اور تجارتوں کے مالک ہیں، ان سے جب اسلامی نظام یہ مطالبہ کرے گا ——— کہ اپنی موجودہ املاک کا جو جو حصہ انہوں نے اپنے کسی مورث سے حاصل کیا ہے، اس میں سے اپنا شرعی حصہ رکھ کر بقیہ کو دوسرے حصہ داروں کے حوالے کر دیں تو آناً فاناً یہ بڑے بڑے املاک ۴، ۶، ۱۰، ۲۰ ٹکڑوں میں بٹ جائیں گے اور کئی کاروبار انفرادی ملکیت سے نکل کر ایک دم لمیٹڈ فرموں اور کمپنیوں کی شکل میں بدل جائیں گے۔ اسلامی قانون وراثت کا ایک ہی دار غریبوں میں سے ۲، ۲½ لاکھ افراد کو اوپر اٹھا کر انہیں ایسے املاک کا مالک بنا دے گا جن کے بارے میں کل وہ خواب بھی نہ دیکھ سکتے تھے ——— اور اسی طرح ہر سال اور ہر روز اس قانون کے اعجوبے اپنا کام کرتے رہیں گے۔

یہ مخصوص ملکیتوں کو عوامی ملکیتوں میں بدلنے کا بہت ہی معقول، پاکیزہ اور تیز رفتار ذریعہ ہے اور اس کی مزاحمت کی جرأت کسی مسلم سرمایہ دار، زمیندار کو نہیں ہو سکتی۔ سرمایہ دار کمیونزم کے خلاف ضرور زور کرے گا، لیکن اسلام کے منہ آنے کی جرأت وہ کبھی نہیں کر سکتا، اگر وہ قانون اسلامی کو قبول کرنے سے انکار کرے گا تو اسکی جگہ مسلم سوسائٹی میں نہیں بلکہ ریاست کے "اہل ذمہ" میں ہوگی۔

کفالتِ عامہ اسلامی حکومت دستوراً اور اخلاقاً دونوں طرح اپنے شہریوں کو رفاہِ عامہ کے اجتماعی

...روں کے علاوہ بنیادی ضروریات زندگی کی ضمانت دینے کی پابند ہے، جہاں تک کہ اس کے ذرائع کی وسعت ہو! اسلامی بیت المال اکابر کو تنخواہیں جمع کر کے دینے والا ادارہ نہیں ہے، بلکہ وہ پورے شہریوں کی ضروریاتِ زندگی کا کفیل ہوتا ہے۔ موجودہ دور کی حکومتیں کفالت عامہ کی ذمہ داری نہیں لیتیں، بلکہ صرف رفاہِ عامہ کے کاموں تک، اجتماعی خزانے کے مصارف کو محدود رکھتی ہیں۔ فوج، پولیس، تعلیم، صحت، ذرائع آمدورفت وغیرہ کا اہتمام کئے بغیر تو کوئی سلطنت چل ہی نہیں سکتی، اس میں اسلامی اور غیر اسلامی حکومت کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ اسلامی حکومت کا امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ رفاہِ عامہ کے ساتھ کفالتِ عامہ کی ذمہ داری لیتی ہے اور اسکی طرف سے ہر شہری کو ضمانت دی جاتی ہے کہ زندگی جاری رکھنے کے لوازم ہیں ہے اگر وہ کسی سے محروم ہوگا تو حکومت اور سوسائٹی اسے پورا کرنے کی ذمہ دار ہوگی۔ اسلامی نظام معیشت کا یہ ایک ایسا اصول ہے جس کے ہوتے ہوئے سرمایہ دارانہ نظام کے سارے مفاسد کا سدباب ہو جاتا ہے اور کمیونزم کے دین معدہ کی قدر و قیمت اس کے مقابلے میں ہیچ ر جاتی ہے۔

نظام سرمایہ داری کی مرکزی روح انفرادیت پسندی ہے یعنی ہر فرد صرف اپنا ذمہ دار ہوتا ہے لیکن اسلامی نظام معیشت میں سوسائٹی ——— اور اسکی معرفت خوشحال لوگ ——— ہر ضرورت مند کے بارے میں ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اب اگر کوئی نظام یہ ضمانت دیتا ہے کہ مزدور اور کسان مفلس ہوں، یا کوئی عام شہری بے روزگار ہو، تو اسکی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے لئے سرکاری خزانہ ہمہ تن حاضر ہوگا۔ تو پھر اسکی ضرورت کیا باقی رہ جاتی ہے کہ تمام افراد کی ملکیتیں سلب کر کے ان کو اسٹیٹ کا مزدور بنا دیا جائے؟

درحقیقت یہ کفالتِ عامہ کا اصول ہی اسبات کا متقاضی ہے کہ مسلم سوسائٹی سے زکوٰۃ و صدقات وصول کر کے ایک مرکزی فنڈ بہم پہنچایا جائے اور اس کا ایک بڑا حصہ افرادِ معاشرہ کی شخصی اور نجی ضروریات کے لئے مخصوص رکھا جائے۔ یہ واضح رہے کہ فقراء و مساکین، ایامیٰ و یتامیٰ اور بیماروں اور معذوروں کی اعانت صرف افراد پر ہی واجب نہیں ہے، بلکہ حکومت اسلامی بدرجہ اول اسکی ذمہ دار ہے، کیونکہ اس

کے ذرائع و وسائل وسیع تر ہوتے ہیں۔

نبی صلعم اور کفالت عامہ نبی صلعم کا دورِ حکومت دائمی اسوہ ہے آپ نے سائلین اور ضرورتمندوں کو اجتماعی خزانے سے ہمیشہ امداد بہم پہنچائی ہے۔ پھر آنحضور کے شخصی اور سرکاری مصارف کے لئے خمس، فئے و غنیمت (اور باغ فدک) میں جو حق مقرر کیا گیا تھا، اسے آپ نے ہمیشہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کے ضرورت مندوں پر صرف کیا ہے۔ زاد المعاد میں بتایا گیا ہے کہ آنحضور اپنی خاص رقم میں سے مقروضوں کا قرضہ ادا کرتے تھے، کنواروں کی شادیاں کرتے تھے اور اہل حاجت کو دیتے تھے۔

ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک بے روزگار شخص سائل بن کر پہنچا تو آپ نے اسے لکڑیاں کاٹ کر بیچنے کے کام میں لگایا، اور تاکید کی کہ مجھے اپنے معاشی حالات سے مزید مطلع رکھو۔ مدعا یہ تھا کہ اگر کام نہ چل سکا تو پھر کوئی دوسری تدبیر کی جائیگی۔ خود یہ مثال بتاتی ہے کہ بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا یا اس بارے میں ان کی رہنمائی کرنا، اور اگر وہ کامیاب نہ ہوں تو پھر ان کی مالی امداد کرنا اسلامی حکومت کے ذمے ہے۔

حضرت عمرؓ اور کفالتِ عامہ حضرت عمرؓ کے دور میں چونکہ اسلامی نظام پوری طرح برقرار ESTABLISH ہو چکا تھا، اس لئے کفالتِ عامہ کی مثالیں اس دور میں بہت ہی نمایاں قسم کی ملتی ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) آپ نے اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ ممالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے عام حکم تھا۔ اور اس کی ہمیشہ تعمیل کی گئی — کہ اپاہج، ضعیف، از کار رفتہ، مفلوج وغیرہ ضرورت مندوں کو بیت المال سے وظائف دیئے جائیں۔

(۲) غربا اور مساکین کے لئے بلا تخصیص مذہب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔

(۳) شہروں میں مہمان خانے تعمیر کر دیئے گئے، جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا (مدینہ منورہ کے لنگر خانے میں تو آپ خود تشریف لے جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلواتے تھے)

(۴) اولادِ لقیط (لاوارث بچے) کے لئے رضاعت و تربیت کے مصارف بیت المال سے ادا ہوتے

تھے۔ ابتداً اس سلسلہ میں ۱۰۰ درہم سالانہ فی بچہ مقرر ہوئے، لیکن بعد میں اضافہ کیا جاتا رہا۔

(۵) یتیموں کی پرورش سرکاری انتظام سے ہوتی تھی ان کی جائدادوں کی دیکھ بھال بھی اسٹیٹ کے ذمے تھی ——— اور بالعموم یتیموں کے سرمائے کو تجارت میں لگا کر اسے بڑھانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔

(۶) اسلمؓ (حضرت عمرؓ کے غلام) کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ رات کو گشت کرتے ہوئے مدینے سے تین میل کی دوری پر مقام صرار کے ایک گھر میں بچوں کے رونے کی آواز آئی۔ دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بچے بھوکے ہیں اور سامان خوراک ختم ہے۔ اسی وقت مدینے واپس تشریف لائے اور بیت المال سے آٹا، گوشت، گھی اور کھجوریں لیں، اور اسلم سے کہا، میری پیٹھ پر یہ بوجھ لاد دو۔ اسلم نے خود اٹھانا چاہا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم میرا بار قیامت کو نہیں اٹھاؤ گے۔ تو اب میں تم کو کیوں اٹھواؤں۔ چنانچہ سامان منزل مقصود پر پہنچا۔ حضرت عمرؓ نے خود چولہا جھونکا، کھانا تیار ہوا تو بچوں نے کھایا پیا اور اچھلنے کودنے لگے۔ بچوں کی والدہ نے کہا کہ امیر المومنین بننے کے قابل تم ہو، نہ کہ عمرؓ!

(۷) ایک مرتبہ مدینہ کے باہر ایک قافلہ آکے اترا۔ حضرت عمرؓ عبدالرحمٰن بن عوف کو لے کے وہاں پہنچے اور رات بھر ان کی حفاظت کے لئے پہرہ دیتے رہے۔

(۸) ایک مرتبہ ایک بدو نے اشعار میں اپنے اہل وعیال کے لئے لباس کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ میں تمہارا کہنا پورا نہ کروں تو کیا ہوگا؟ بدو نے جواب میں یہ شعر مثلث پڑھا۔

تکون عن حالی لتسئلنہ	تجھ سے قیامت کے دن میری نسبت
والواقف المسئول بینہ	سوال ہوگا۔ اور تو ہکا بکا رہ جائیگا۔
اما الی نار واما جنۃ	پھر یا دوزخ کیطرف جانا ہوگا، یا بہشت کیطرف!

حضرت عمرؓ یہ سن کر اتنا روئے کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ پھر اپنا ایک کرتہ اسے دیتے ہوئے

لہ حضرت عمرؓ نے اس جملے میں یہ بتایا ہے کہ اگر کوئی حکومت کفالت عامہ کی ذمہ داری ادا نہ کرے اور اسکے شہری بھوک، بیماری اور دوسری تکلیفوں میں مبتلا رہیں تو اسکے چلانے والے خدا کی عدالت میں ہر محروم فرد کے لئے جوابدہ ہونگے۔

معذرت کی کہ اس وقت میرے پاس اور کچھ نہیں ہے۔

(۹) سعید بن یربوع ایک نابینا صحابی تھے۔ ان کو نماز باجماعت میں آنے کے لئے خادم فراہم کردیا گیا۔

(۱۰) ایک شخص کا دایاں ہاتھ کٹا دیکھا اور پھر کہنے لگے کہ تم کو وضو کون کراتا ہوگا؟ سر کون دھلاتا ہوگا؟ کپڑے کون پہناتا ہوگا؟ یہ کہہ کر بہت رقت طاری ہوئی اور پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور ضروری سامان فراہم کیا۔

(۱۱) ایک بوڑھے ذمی کو مانگتے دیکھا تو فوراً اس کے لئے وظیفہ دینے کا فرمان جاری کیا۔

(۱۲) ازالۃ الخفا میں ہے:-

وكان ابا العيال حتى ان كان	حضرت عمرؓ رعایا کے کنبوں کے لیے ابوالعیال تھے۔
ليمشي الى المغيبات فيسلم عليهن	مجاہدوں کی غیر حاضری میں ان کی مستورات کے گھروں پر جاتے
ويقول الكن حاجة؟ اذا	دروازوں پر جاکر سلام کہتے، پھر پوچھتے کہ کیا کوئی ضرورت پیش
كنتن تردن حاجة اشتري لكن شيئا	ہے؟ اگر تمہیں کسی طرح کی ضرورت ہو تو میں تمہارے لئے بازار
من السوق فاني اكره ان تخدعن في	سے سودا لادوں، کیونکہ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ خرید وفروخت
البيع والشراء، فيرسلن معه بجواريهن	میں دھوکا کھاؤ۔ چنانچہ مستورات ان کے ساتھ لونڈیاں بھیج
فيدخل السوق وان وراءه من	دیتیں اور آپ بازار جا پہنچتے، بہت سے لوگوں کے لونڈی
غلمان الناس وغلمانهم ما لا يحصى	غلام آپ کے ساتھ ہوتے اور آپ ان کی ضروریات خریدتے،
فيشتري لهن حوائجهن ومن كانت	اگر کسی کے پاس ضروریات خریدنے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو اسے
ليس عندها منهن شيء اشترى	اپنے پاس سے خرید کر دیتے اور جب کبھی کوئی قاصد کسی لشکر
لها من عنده واذا قدم الرسول	سے آیا تو آپ بنفس نفیس ان کے گھروں تک ان کے
من بعض البعوث يتبعهن هو	شوہروں کے خطوط پہنچاتے اور ان سے فرماتے کہ تمہارے
بنفسه بكتب ازواجهن ويقول	شوہر خدا کی راہ میں جہاد کر رہے ہیں اور تم رسول اللہ
لهن ان ازواجكن في سبيل الله وانتن	کے شہر میں ہو، پس اگر تمہیں کوئی خط پڑھ دینے والا میسر
في بلد رسول الله، ان كان عند	ہو تو خیر ورنہ دروازے کی اوٹ میں آؤ تاکہ میں تمہیں

کو من یقرأ والا فادنین من الباب حتے	پڑھ کے سنا دوں۔ پھر فرماتے کہ ہمارا قاصد فلاں فلاں دن
اقرأ لکن ثم یقول ان رسولنا یخرج یوم کذا	روانہ ہونے والا ہے۔ سو تم اس کی روانگی سے پہلے پہلے
وکذا فاکتبن حتی نبعث بکتبکن ثم	اپنے خطوط لکھ رکھو تاکہ ہم تمہارے خطوط روانہ کر سکیں۔
یدور علیھن بالقراطیس والدوی	پھر آپ کاغذ قلم دوات لے کر ان کے گھروں کا دورہ کرتے
فمن کتبت منھن اخذ کتابھا ومن	اور جس کسی نے خط لکھ رکھا ہوتا اس سے لے آتے اور جس
لم تکتب قال ھذا قرطاس ودواۃ	نے نہ لکھ رکھا ہوتا اسے کہتے یہ ہے کاغذ اور قلم دوات،
ادنی من الباب فاملی علے فیما کذا وکذا	دروازے کے قریب ہو جاؤ اور مجھے لکھواؤ۔ اسی طرح
بابا فیکتب لاھلھا ثم یبعث بکتابھن	کئی دروازوں پر جاتے اور اہل خانہ کے پیغام لکھتے اور
	پھر ان خطوط کو بھجواتے۔

اس حوالے کو پڑھتے ہوئے آدمی پر رقت طاری ہو جاتی ہے، کہ کس درجے کے شفیق لوگ تھے جن کے ہاتھوں اسلامی نظام چلا اور آج کی حکومتوں میں غرباء و عوام کا کیا حال ہے کہ ان کی مزاج پرسی تک کرنا عمائدِ حکومت پر بار ہوتا ہے، کجا کہ وہ ایک ایک کی ضرورتیں پوری کرتے پھریں۔

(۱۳) حضرت عمرؓ کی طرف سے جملہ حکام کو رعایا کی بیمار پرسی کے لئے سخت تنبیہ تھی۔

(۱۴) ۱۸ھ کے قحط کے زمانے میں بیت المال کا تمام نقد و غلہ عوام پر صرف کر دیا۔ پھر صوبوں سے غلہ طلب فرمایا۔ قحط زدہ عوام کی فہرستیں تیار کرائیں، ان کی ضروریات نام بہ نام درج رجسٹر کرائیں۔ اور ان کے لئے قراطیس (Ration Cards) مہر لگا کر جاری کئے۔ قراطیس کے اندراج کے مطابق مقررہ مقدار غلہ دی جاتی تھی۔ ہر روز ۲۰ اونٹ ذبح کرا کے اپنے اہتمام سے قحط زدوں کو کھانا کھلاتے تھے۔[1]

ان مثالوں سے واضح ہے کہ اسلامی حکومت کی کفالتِ عامہ کی ذمہ داریاں کس حد تک وسیع ہیں۔ یہاں ایک واقعہ بیان کرنا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ جب سفر شام کے لئے نکلے تھے تو واپسی پر ایک خیمہ دیکھا۔ قریب

[1] اس موقع پر آپ نے اپنی خوراک کا معیار قحط زدہ لوگوں کے برابر کر دیا تھا اور فرماتے تھے جب تک پھر فراوانی نہ ہو گی گندم کی روٹی اور روغن زیتون نہ ملے گا میں بھی نہ کھاؤں گا

گئے تو ایک بڑھیا نظر آئی۔ اس نے آپ کو پہچانے بغیر شکایت کی کہ حکومت کی طرف سے اسے کوئی مالی امداد نہیں پہنچی۔ حضرت عمرؓ نے معذرت کی کہ آخر عمرؓ کو اتنی دور سے تمہارا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے۔ اس کا جو جواب اس عورت نے دیا وہ کوئی بڑے سے بڑا فاضل سیاسیات بھی نہ دے سکیگا کہ

"جب اسکو رعایا کا حال معلوم نہیں تو خلافت کرتا کیوں ہے" ؟

یہ فقرہ اسلامی حکومت کی کفالت عامہ کی ذمہ داریوں کا تصور دلانے کے لئے کافی ہے۔ حکومت خود اس کی ذمہ دار ہے کہ وہ ضرورت مندوں سے تعارف حاصل کرے اور ان کی ضروریات معلوم کرے ورنہ اس کے کارکن اس قابل ہیں کہ وہ معزول کر دیئے جائیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز اور کفالت عامہ | حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بنو امیہ کے ابتر نظام کو خلفائے راشدین کے نمونے پر از سر نو درست کیا تھا۔ آپ کے دور روشن کا واقعہ ہے کہ غربا کو سرکاری لنگر سے کھانا کھلانے کا انتظام تھا۔ ایک مرتبہ محاسب یہ عرض کرنے حاضر ہوا کہ اگر لنگر جاری رہا تو بیت المال چند روز میں خالی ہو جائیگا۔ آپ نے جواباً فرمایا کہ لنگر جاری رہے گا اور بیت المال اگر خالی ہو جائے تو ہو جانے اس میں بھس بھر دینا۔ مدعا یہ تھا کہ بیت المال ہے ہی اس لئے کہ غربائے ملک کی ضروریات کا کفیل ہو یہی کام نہ ہوا تو اسے بھر کے رکھنے کی وجہ کیا ہے!

بحث کا ماحصل | پاکستان کے حالات کو موجودہ دورِ تمدن کے تقاضوں کے ساتھ سامنے رکھتے ہوئے اوپر کی ساری بحث کی روشنی میں جو ہدایت اخذ ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ:-

(۱) ہماری حکومت کے لئے ایک مستقل محکمہ بندی کر کے اس امر کا انتظام کرنا لازم ہے کہ ملک کے تمام بیواؤں، یتیموں، بیماروں، لاوارث بچوں، اپاہجوں اور نابیناؤں کی فہرست اس کے سامنے ہو اور ان کی ضروریات کا باقاعدہ حساب مرتب رہے۔ اور ان ضروریات کی بہم رسانی کا انتظام ہو۔

(۲)۔ روٹی، کپڑے، دوا، مکان، سواری، خادم یا اور کسی طرح کے ساز و سامان کی جہاں بھی احتیاج پائی جائے بروقت فراہم کرنے کا نظم جاری ہو۔

(۳) ملک کے بے روزگاروں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے دفاتر اور ذرائع و وسائل مہیا کئے جائیں۔ اور

جب تک ان کو کام نہ ملے، ان کو وظائف دے کر رفاہِ عامہ کے کاموں میں استعمال کیا جائے یا انہیں صنعتی وحرفتی تربیت دلا کر اور سرمایہ و آلات فراہم کرکے اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جائے۔ یہ ہے معاشی ناہمواریوں کو دور کرنے کی یک گونہ صورت جسے اسلامی نظام کے داعی نافذ کرنا چاہتے ہیں اور جسے نافذ کئے بغیر کوئی حکومت پوری طرح اسلامی حکومت ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ ہمیں بتایا جائے کہ جس نظامِ زندگی میں عوام کی معاشی دستگیری کا ایسا معقول انتظام موجود ہو اس سے بہتر انتظام کون سا ہوگا۔ اور ہم کمیونسٹ حضرات سے بھی دریافت کرتے ہیں کہ اس انتظام سے ان کو کیا اختلاف ہے۔

رفاہِ عامہ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، کفالتِ عامہ کی طرح رفاہ عامہ بھی اسلامی حکومت کے فرائض میں سے ہے۔ ذرائع آمد و رفت، آبپاشی کے مسائل، زرعی اور صنعتی ترقیوں کے لئے مختلف انتظامات، رسل و رسائل کے انتظامات، تعلیم، صحت، انصاف اور جان، مال، عزت و آبرو، کی نگہداشت وغیرہ امور کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے لیکن اس سلسلے میں اسلامی حکومت اپنا ایک مخصوص مسلک رکھتی ہے اسلامی حکومت میں انصاف کے حصول کے لئے کسی قیمت کی ادائی کا کوئی قاعدہ کسی دور میں اختیار نہیں کیا گیا کہ جو اتنی فیس کورٹ ادا کرسکے (اور اس کے ساتھ رشوتیں بھی دے سکے) صرف وہی انصاف پاسکے۔ بخلاف اس کے اسلامی حکومت کا عدالتی نظام بلا فیس چلتا ہے، اور اس میں جج یا فریقین مقدمہ کو قانونی مشورہ بہم پہنچانے کے لئے "آزاد مفتی" بھی سرکاری بیت المال کے صرف پر کام کرتے ہیں۔

اس طرح اسلامی نظامِ تعلیم بھی دکانداری کے اصول سے بالکل پاک رکھا گیا ہے۔ اس میں فیس کا طریقہ نہیں کھپ سکتا کہ جو زیادہ مال رکھتا ہو، صرف اس کے بچے تعلیم پاسکیں، بلکہ دین و دنیا کی کم سے کم ضروری تعلیم تو حکومت اپنے ہر شہری کو مفت بہم پہنچانے کی ذمہ دار ہے۔ اس مقصد کے لئے اسکول، کالج، لائبریریاں دار المطالعے، گشتی کتب خانے، تعلیمی فلمیں، ریڈیو سینما کے عوامی مراکز وغیرہ کا جابجا انتظام کرنا خود حکومت کا فرض ہے۔

پھر جہاں تک صحت کے تحفظ کا تعلق ہے، یہ تو رعایا کی جانوں کی حفاظت کے فوجی انتظام کی طرح امیر غریب ہر ایک کے لئے عام ہونا چاہئے۔ یہ ظلم ہے کہ صرف فیس معائنہ اور قیمت ادویات ادا کرسکنے والوں کے

لئے حکومت حفظانِ صحت کے انتظامات کردے، لیکن جو لوگ مفلس ہوں ان کو بیماری اور موت کے حوالے کر دیا جائے کہ وہی ان کی چارہ گری کریں۔ اسلامی حکومت کے تحت صاحبِ استطاعت لوگوں کو حفظانِ صحت کے جتنے انتظامات بالمعاوضہ فراہم کئے جائیں، لازم ہے کہ وہ سارے کے سارے غربا کو مفت فراہم ہوں۔ ہمارے ایک غریب سے غریب شہری کو حق ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں کے طبی معائنے، معالجے، اپریشن، اور دوا اور پرہیز کے لئے بہتر سے بہتر انتظامات سے بلا روک ٹوک استفادہ کرسکے۔ وہ اگر کسی ہسپتال کے خالی بستر (BED) کو حاصل کرنے کے لئے پہلے پہنچا ہو تو ملک کا بڑے سے بڑا رئیس شخص اس کی باری چھین نہ سکے انتظامات پورے عوام کے لئے مساویانہ ہونے چاہئیں، خواہ ان کا معیار پست ہو یا بلند!

یہ کام حکومت کا ہے کہ وہ مصارف کے لئے مالیات کو درست طور پر منظم کرے۔ امرا پر ٹیکس کا بار ڈالے اور مزدوروں اور کسانوں اور ملازموں کے مصارف تعلیم و علاج کے بل ان کے زمینداروں، کارخانہ داروں اور آقاؤں سے وصول کرے؛

زکوٰۃ اور اس کی معاشیاتی اہمیت اسلامی حکومت کے کفالتِ عامہ اور رفاہِ عامہ کے انتظامات کا دارومدار مالیات کے حسنِ نظم پر ہے، اس کی ریڑھ کی ہڈی زکوٰۃ ہے جیسے کہ سود نظام سرمایہ داری کی اور قومی ملکیت کمیونسٹ نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ لیکن قانونِ وراثت ہی کی طرح "زکوٰۃ" کا نام لینے پر بھی ہمارے بہت سے کمیونسٹ فکر حضرات "آں اوں" کر کے رہ جاتے ہیں اور اس ذریعۂ انتشارِ دولت کی ماہیت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے اس سے کسمساتے ہیں اور یہ رائے دیتے ہیں کہ آج کل کے مسائل پرانے زمانہ کے اس ذریعے سے حل نہیں ہوسکتے۔ افسوس یہ ہے کہ ہمارے مسلم علمائے معاشیات میں سے کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ زکوٰۃ کی ماہیت اور اس کے اثرات کو معاشی نقطۂ نظر سے اعداد و شمار کے ساتھ ناپے تولے اور پھر ایک قطعی فیصلے پر خود بھی پہنچے اور دوسروں کو پہنچائے۔ اس کمی کے مدِنظر میں نے کچھ عرصہ پیشتر زکوٰۃ کا معاشیاتی جائزہ اعداد و شمار کی روشنی میں لینا چاہا تھا، لیکن وہ کام بعض وجوہ سے نامکمل رہا۔ اب ان شاء اللہ مستقبل قریب میں تکمیل دوں گا۔ تاہم میں نے ایک رف (اندازہ) اخبار "تسنیم" مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۴۹ء میں زکوٰۃ کی اس مقدار کا پیش کیا ہے جو ۱۹۳۵ء کے اعداد و شمار کی رو سے ایک سال میں صرف پاکستان سے برآمد ہونی چاہیئے۔ اس اندازے کے بارے میں

چند باتیں کہ دینا ضروری ہیں۔

۱- یہ اندازہ ۱۹۳۵ء کے اعداد و شمار کے مطابق ہے، لیکن کہیں کہیں ۳۶-۳۷ ۱۹ء کے اعداد و شمار بھی لئے گئے ہیں۔

(۲) غیر ملکی سرمائے کی مقدار کاروباری سرمایوں میں جو کچھ بھی ہو، اس کا زیادہ سے زیادہ اندازہ کرتے ہوئے نصف حصہ مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

(۳) کل انڈیا کا یکجائی اندازہ کرنے کے بعد اس میں سے ⅕ حصہ پاکستان کا متعین کر لیا گیا ہے۔

(۴) جہاں اعداد و شمار نہیں مل سکے وہاں سرسری تخمینہ سے کام لیا گیا ہے۔

(۵) اندازہ بحیثیت مجموعی "کم سے کم" قسم کا ہے۔

اس طرح جو اندازہ کیا جا سکا ہے وہ بہر حال ۳۰ کروڑ سالانہ سے اوپر ہے۔ یہ ۳۰ کروڑ روپیہ ہر سال خوشحال طبقہ سے ضرورت مند طبقہ کی طرف[۱] منتقل ہوتا رہے گا۔ تا آنکہ دونوں مساوات کی حالت پر آجائیں۔ اگر اس مقدار زکوٰۃ کو ایک معقول منصوبہ بندی (Planning) کے ساتھ دس سال تک صرف کیا جائے تو سوسائٹی کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ مثلاً اسی ۳۰ کروڑ روپے کی رقم کو لیجئے اور اس کے دو حصے کر دیجئے:۔

(۱) ۱۵ کروڑ ان مصارف کے لئے جو حکومت کے ادارات افادۂ عمومی کی معرفت غرباء کے لئے کئے جاتے ہیں مثلاً تعلیم، حفظان صحت، عدالت وغیرہ۔

(۲) ۱۵ کروڑ براہ راست امداد بہم پہنچانے کے لئے مخصوص ہوں گے۔

اس مؤخر الذکر مقدار کو پھر دو گونہ صورتوں میں صرف کیا جا سکتا ہے۔

(ا) مستقل روزگار بہم پہنچانے کے لئے۔

(ب) وظائف دینے اور وقتی امداد بہم پہنچانے کے لئے۔

[۱] زکوٰۃ کی حقیقت کے بارے میں یہ جان لینا چاہیئے کہ یہ عام ٹیکس نہیں ہے بلکہ اسکی شرح اور اس کے مصارف کتاب و سنت سے مستقل طور پر متعین ہیں اور یہ بنیادی عبادات کا اہم رکن ہے۔ زکوٰۃ کا مقصد اسٹیٹ کی ساری ضروریات کو پورا کرنا نہیں بلکہ اس کا مرکزی مدعا رفاہ عامہ کے ادارات اور کفالت عامہ کے انتظامات کو قائم کرنا اور ملک کے ہر ضرورتمند فرد کو ضروریات بہم پہنچانے کیلئے ایک مضبوط فنڈ مہیا کرنا ہے۔ پھر زکوٰۃ کی ادائی انفرادی معاملہ نہیں ہے، بلکہ اسلامی حکومت اسکے وصول و صرف کا ویسا ہی انتظام کرنیکی ذمہ دار ہے جیسے کہ مالیات عامہ (PUBLIC FINANCE) کے دوسرے پہلوؤں کا انتظام

مستقل روزگار کے سلسلے میں تین صورتیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں:۔

اوّل۔ کسانوں اور زراعت پیشہ لوگوں کو جو بے زمین ہوں یا کم رقبے رکھتے ہوں اُن کو قطعات اراضی خرید کر دیئے جائیں۔ اس مقصد کے لئے اگر ۱½ کروڑ روپیہ سالانہ صرف کیا جائے تو ۳ ایکڑ فی قطعہ کے حساب سے ۱۰۰۰۰ ایسے قطعات سالانہ خرید کر دس ہزار کنبوں کو فراہم کئے جا سکتے ہیں جن کی قیمت ۵۰۰ فی ایکڑ ہو یا اس صرف سے غیر مزروعہ رقبوں کو مزروعہ بنایا جا سکتا ہے گویا سالانہ ۳۰ ہزار ایکڑ زمین غربا کو خرید کر یا مزروعہ بنا کر دی جا سکتی ہے۔

دوم۔ فنڈ کا دوسرا حصہ بقدر ۱ کروڑ ۵۰ لاکھ روپیہ کارخانوں کے قیام کے لئے مخصوص ہونا چاہیے جن میں غریب اور حاجت مند لوگوں کو کارکن بھی بھرتی کیا جائے اور پورا عملۂ کار ان کا مالک ہو۔ حکومت صرف کامیابی سے ان کو چلانے کے لئے دو ایک سال نگرانی اور تربیت کا فرض انجام دے۔ اگر اعلیٰ درجہ کے بڑے کارخانے قائم کئے جائیں تو ایک لاکھ روپیہ فی کارخانہ سرمایہ لگا کر ۱۵۰ کارخانے سالانہ قائم ہو سکتے ہیں۔ ان کارخانوں میں سالانہ ۱۵۰۰۰ افراد اور ان کے ساتھ ان کے اسی تعداد کے کنبے کھپائے جا سکتے ہیں۔

سوم۔ فنڈ کا تیسرا حصہ ۲ کروڑ روپے کا اگر تجارتی سرمایہ فراہم کرنے کے لئے مخصوص کیا جائے اور چھوٹے پیمانے کے کاروبار کے لئے ایک ہزار روپیہ فراہم کیا جائے تو سالانہ ۲۰ ہزار افراد (کنبوں سمیت) گذر کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔

اب ہمارے پاس ۱۰ کروڑ روپیہ اور باقی ہے۔ اسکو اگر کچھ وقتی اور فوری امداد کے لئے اور کچھ یتیموں، بیواؤں اور بے روزگاروں[1] کو وظائف دینے کے لئے استعمال کیا جائے تو مختلف درجات کے مستحقین میں یوں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(۱)	۵ کروڑ روپیہ	ایک ہزار روپیہ سالانہ فی کنبہ	۵۰ ہزار کنبوں کے لئے
(۲)	دو کروڑ روپیہ	۵ سو " " " "	۴۰ " " "
(۳)	ایک کروڑ روپیہ	۲½ " " " "	۴۰ " " "
(۴)	۲ کروڑ روپیہ	۱ " " " "	۲ لاکھ " "

[1] جبکہ بے روزگاروں کو حکومت، روزگار ملنے تک، وظائف دے۔ ان سے رفتہ رفتہ [illegible] ضروریات لیکر دولت میں [illegible] جا سکتا ہے۔

اس سارے حساب کے پیش نظر صرف ایک سال میں تین لاکھ ہزار کنبوں یا ۴ افراد فی کنبہ کے حساب سے ۱۵ لاکھ افراد کو افلاس کی دوزخ سے نکال کر خوشحالی کی جنت میں بسایا جا سکتا ہے۔ اگر یہی عمل ۱۰ سال تک جاری رہے تو ایک کروڑ پچاس لاکھ افراد کو معاشی استحکام کی منزل پر لایا جا سکتا ہے۔ یہ ہے وہ زکوٰۃ جسے حقیر سمجھا جاتا ہے، یہ اگر قانون وراثت کے ساتھ شامل ہو جائے تو حیرت انگیز انقلاب بپا ہو سکتا ہے۔ بغیر اس کے کہ طبقات کی جنگ ہو اور خون کا کوئی ایک قطرہ بہے۔

دوسرے صدقات | زکوٰۃ صدقہ واجبہ ہے۔ اس کے علاوہ جو صدقات مسنون اور مستحب ہیں، وہ ایک تربیت یافتہ مسلم سوسائٹی میں بالعموم زکوٰۃ سے بڑھ جایا کرتے ہیں اور کوئی وجہ نہیں کہ اگر ہم اپنی سوسائٹی کی تربیت حکومت کے وسائل سے اسلامی نقشے پر دو تین سال تک کریں تو حالات میں نمایاں ارتقا پیدا نہ ہو جائے۔ ان دوسرے صدقات میں سے قابل ذکر یہ ہیں:-

(۱) صدقۂ فطر (۲) قربانی (۳) نذر (۴) کفارۂ یمین (۵) کفارہ معصیت کبیرہ وصغیرہ (۶) ہدیۂ صلوٰۃ وصوم فوت شدہ (۷) قرضِ حسنہ کی معافی (۸) طعام مسکین (۹) صدقہ برائے سائل (۱۰) اوقاف (۱۱) عام صدقاتِ جاریہ۔ وغیرہم

ان سارے صدقات سے اگر بالفرض گھٹیا حالات میں بھی امیر طبقہ سے غریب طبقہ میں سالانہ ایک رقم بقدر ایک کروڑ بھی منتقل ہونے لگے تو زکوٰۃ کا اثر اور زیادہ دوررس ہو جانا چاہیئے، پھر اگر سوسائٹی دس سال تک تربیت پاتی رہے تو یقیناً صدقات غیر واجبہ کی مقدار زکوٰۃ کے برابر ہو جانی چاہیئے۔

مقام غور وفکر | اس ساری بحث کے مطالعہ کے بعد غور فرمایئے کہ اگر ایک نظامِ اجتماعی ایسا عملاً برپا ہو جس میں!

(۱) عام طور پر دولت پرستی کی بجائے خدا پرستی اور تعمیر اخلاق پر توجہات مرتکز ہوں،

(۲) معاشیاتی اخلاق کی تعمیر اس طرح پر کی گئی ہو کہ سرمایہ دارانہ ناہمواریوں کا پیدا ہونا ممکن نہ رہے،

(۳) سود، قمار، ذخیرہ اندوزی، بلیک مارکیٹ، سٹے وغیرہ کا سدباب ہو چکا ہو،

(۴) اسراف وتعیش کے دروازے بند کیئے جا چکے ہوں اور تقریباتِ زندگی کو بالکل سادگی کی سطح پر لایا

جا چکا ہو،

(۵) ملازمین کی تنخواہوں کا معیار اعتدال کے اصول پر قائم ہو،

(۶) اہل محنت کے حقوق متعین ہوں اور ان کا قانونی و اخلاقی تحفظ ہو،

(۷) ایک ضرورت مند کو اس کے رشتہ دار، اس کے پڑوسی اور عام مسلمان ہر وقت مدد بہم پہنچانے کے لئے تیار ہوں،

(۸) حکومت اہل حاجت کی ضروریات کی کفیل ہو اور بے روزگاروں کی سرپرستی کرے،

(۹) قانونِ وراثت جائدادوں کو بار بار ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھیلاتا چلا جائے،

(۱۰) زکوٰۃ و صدقات کی ایک بڑی مقدار ہر سال اوپر کے طبقے سے نیچے کے طبقے میں منتقل ہوتی رہے،

(۱۱) اور ہر فرد دوسرے کے ساتھ اخوت و مساوات کے روابط رکھتا ہو۔

تو بتایا جائے کہ اس میں معاشی ناہمواریاں، یا فاقہ و افلاس، یا تقسیم طبقات کدھر سے دخل انداز ہو سکتی ہے؟

—— پس اصل سوال یہ ہے کہ اس نظام اجتماعی کو عملاً برپا کرنے —— اور جلد از جلد برپا کرنے —— کی فکر کی جائے اور اسی کی دعوت لے کے ہم کھڑے ہوئے ہیں۔

حرفِ آخر حاضرین! یہ بات خوب اچھی طرح آپ کو سمجھ لینی چاہئے کہ یہ نظام جس کا خاکہ آپ کے سامنے بیان کیا گیا ہے، اس کا قیام کبھی بھی بجز اس کے ممکن نہیں ہے کہ اس نظام کی فطرت کے تقاضوں کے مطابق اسلام کو جاننے، سمجھنے اور اس کی مشین کو چلا سکنے کی صلاحیتیں رکھنے والی ایسی قیادت برسرکار ہو، جو کسی غیر اسلامی نظام سے مرعوب نہ ہو۔

یہ ایک واقعہ ہے کہ پوری تاریخ انسانی میں ایک مثال بھی اس بات کی نہیں مل سکتی کہ اسلامی نظام زندگی اسلام کو نہ جاننے والوں اور اسلام پر نہ چلنے والوں کی قیادت میں برپا ہو سکا ہو، بلکہ چلتے چلاتے اسلامی نظام پر جب کبھی اس کے معیار سے گری ہوئی قیادت مسلط ہوئی ہے، تو اس کے بخیئے ادھڑ گئے ہیں۔ بخلاف اس کے جب کبھی بگڑے ہوئے حالات میں کوئی صالح قیادت بروئے کار آ گئی ہے تو نظام زندگی کی چولیں از سر نو اپنی جگہ پر درست بیٹھ گئی ہیں۔ پس پاکستان اسلام کے معیار کے مطابق ایک صالح قیادت کو سامنے لانے میں جتنی دیر کرے گا، اتنی ہی دیر اسلام کے نظام حیات کے نفاذ میں لگے گی۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اب حالات ایسے نہیں ہیں کہ اسلام

کو برسر اقتدار کرنے اور اس کے نظام کو عملاً جاری کرنے میں دیر کی جائے۔ آج کمیونزم کا سیلاب آپ کے دروازوں پر دستک دے رہا ہے۔ اس سیلاب کو محض اپنی "قرار داد مقاصد" کے خوشنما لیبل کا واسطہ دلا کر اور اپنے اکابر کی من موہ لینے والی تقریروں کا حوالہ دے کر آپ نہیں روک سکتے ہے۔ صرف اسلام روک سکتا ہے۔

آج جو صورت حالات ہمارے ہاں کار فرما ہے اسکی حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے نام کا بورڈ تو ریاست پاکستان کے دروازے پر لگ گیا ہے، لیکن اس کے اندر وہی سرمایہ دار، جاگیردار، نواب، چوہدری، خطاب یافتہ حضرات اور عہدوں کا کاروبار کرنیوالے لوگ سرمایہ دارانہ نظام کی کلیں نصب کئے زرگری کر رہے ہیں۔ نہ کسی اصول کار اور طریق کار میں تغیر ہوا ہے، نہ زاویہ ہائے نگاہ اور اخلاق میں کوئی فرق پیدا ہوا ہے، نہ عادات و اطوار میں کوئی تبدیلی عیاں ہے، نہ دفتری نظام کے ڈھانچے میں کوئی رد و بدل ہوا ہے۔ اس حال میں کیا یہ ممکن ہے کہ قانون قدرت کی بے لحاظ قوتوں کو ہم اسلام کا بورڈ دکھا کر دھوکہ دے سکیں؟ اس گھٹیا چال کو چلنے کا نتیجہ بجز اسکے کچھ ہو نہیں سکتا کہ ہمارے معاشی مظلوموں کے جذبات کا سیل رواں جب بند توڑ کے موجزن ہو تو جہاں موجودہ نظام کو بہا لے جائے وہاں اسلام کے بورڈ کو بھی ساتھ ہی لے جائے۔ خالی بورڈ آخر کیا کرامات دکھا سکتا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ہماری موجودہ قیادت جو اسلام کے بجائے دلوں کی گہرائیوں میں مغربی نظام حیات پر ایمان رکھتی ہے اور اسی میں اپنی خواہشات کیلئے سارے راستے کھلے پاتی ہے، اور جسے نظام اسلامی کے مطالعہ کا کوئی موقع نہیں ملا، اور جسکے پاس نظام اسلامی کو چلانے کیلئے اخلاقی صلاحیتیں نہیں، وہ موجودہ نظام کو کسی قدر نئے پالش کیساتھ پاکستان پر بالجبر مسلط رکھنا چاہتی ہے اور تغیر صالح کی طاقتوں کا راستہ آخر دم تک روک رکھنا چاہتی ہے۔ پس اب کوئی صورت اسلامی نظام کے عملی نفاذ کی اسکے سوا نہیں ہے کہ اس قیادت کو آنیوالے انتخابات میں برطرف کر کے نئی صالح قیادت کو بروئے کار لایا جائے۔

ہمارے موجودہ نظام اور ہماری موجودہ قیادت کیلئے قانون فطرت کی نگاہ میں اب کوئی معقول وجہ بقا باقی نہیں رہی۔ اب انقلاب بالکل مقدر ہو چکا ہے۔ امکانات اسی بات کے زیادہ ہیں کہ یہ انقلاب اسلامی ہوگا لیکن اگر ہمارے عوام نے اسلام کو جلد از جلد برسر اقتدار لانے کیلئے متحدہ کوشش نہ کی تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کا صحیح راستہ کھلا نہ پاکر انقلاب کی رو کمیونزم کے غلط راستے سے سوسائٹی میں داخل ہو جائے، اور ملک ایک بلا کے پنجے سے نکل کر ایک دوسری بلا کی گود میں چلا جائے۔

پس جماعت اسلامی ہر مسلمان کو دعوت دیتی ہے کہ وہ آگے بڑھے اور اسلامی نظام اور اسلامی قیادت کو برپا کرنے کیلئے جماعت اسلامی کی جدوجہد میں دل و دماغ سے، جسمانی قوتوں سے، وقت اور مال سے، زبان اور قلم سے پورا پورا تعاون کرے۔

(و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین)